بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا.

(پ: ۱۰، س: التوبۃ، آیت: ۴۰)

اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات بلند رہی۔

النّدوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ کا ترجمان

جلد: 3 — صفر 1433ھ/ جنوری 2012 — شمارہ: 1

مؤسس ومسؤل:

مفتی محمد سعید خان

النّدوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھترپارک، اسلام آباد، پاکستان۔ 46001

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

پتہ برائے خط و کتابت :

① الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک،
اسلام آباد۔ پوسٹ کوڈ 46001

② الندوہ۔ پوسٹ بکس نمبر 1940
جی۔ پی۔ او۔ اسلام آباد

E-Mail: alnadwa@seerat.net

فون نمبر: 0300-5321111
0333-8383337

www.seerat.net

برائے ترسیل زر :

بنام: الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ

اکاونٹ نمبر 01-8637741-01

سٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک پاکستان.

پاکستان فی پرچہ: 25 روپے

پاکستان سالانہ: 300 روپے

بیرون ملک سالانہ: 25 امریکی ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تسامحات

علم حدیث اور اہل بدعت

17

صحیح بخاری اور مسلم کے ''رجال'' پر اُمت نے جو کام کیا ہے اس میں ایک کتاب ''کتاب الجمع بین رجال الصحیحین بخاری و مسلم للکتاب ابی نصر الکلابازی و ابی بکر الاصبھانی'' بھی ہے جو کہ پانچویں صدی ہجری کے آخر اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں لکھی گئی مصنف ''امام ابو الفضل محمد بن طاهر بن علي المقدسي المعروف بابن القيسراني الشيباني رحمۃ اللہ علیہ'' (از ۴۴۸ھ تا ۵۰۷ھ) ہیں جن کا شمار اعلیٰ درجے کے حفاظ حدیث میں ہوتا ہے انہوں نے بھی اس راوی کا تذکرہ لکھا ہے اور بغیر کسی جرح کی طرف اشارہ کیے، بہت پُرسکون طریقے پر گذر گئے ہیں۔ [1]

[1] باب الشین، من تفاریق الاسامی عندهما، رقم: ۸۰۹، ج:۱، ص: ۲۱۸.

18

چھٹی صدی ہی کے ایک نامور مفسر، محدث، فقیہہ اور مؤرخ، (جو اپنی سخت گیری کی وجہ سے بھی مشہور ہیں)، جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۹۷ھ نے اسماء الرجال پر جو کام کیا ہے، اس میں ان کی ایک مشہور کتاب ''کتاب الضعفاء والمتروکین'' ہے اس میں اُنھوں نے نہایت مختصر الفاظ میں اس راوی کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جرح نقل کی ہے کہ یہ ''اِرجاء'' کے داعی تھے لیکن خود کوئی رائے دیئے بغیر تذکرہ مکمل کر دیا ہے۔ ①

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک اس راوی میں کوئی بات ثقاہت کے خلاف نہیں تھی وگرنہ یہ اُن کی عادت سے بعید ہے کہ وہ اتنی آسانی سے کسی راوی پر بغیر تنقید کیے گذر جائیں۔

19

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے مسلمانوں نے جتنا کام حدیث اور سیرت پر کیا ہے، آج تک اتنا کام نہ تو کسی دوسرے علم پر ہوا اور نہ ہی ہی کسی شخصیت پر، حتی کہ قرآن کریم جو ہر مسلمان کی رگ وجاں میں بسا ہوا ہے، اس پر بھی اب تک اتنی محنت نہیں ہوئی، جتنا کہ اس کا حق بنتا تھا مشرق ومغرب میں علم حدیث کے علماء نے اسناد ومتون حدیث پر کام کا حق ادا کر دیا ہے۔

① حرف الشين، رقم: ١٦٠٧، ج:٢، ص:٣٧.

ساتویں صدی ہجری کے ایک نامور محدث، ''ابن خلفون'' ہیں، جن کا پورا نام ''علامہ ابو بکر محمد بن اسماعیل بن محمد بن خلفون الازدي رحمۃ اللہ علیہ'' ہے (از ۵۵۵ھ تا ۶۳۶ھ) وہ اُندلس کے شہر اشبیلیہ میں پیدا ہوئے اور اب تک بخاری و مسلم کے رواۃ پر اُن کی دو کتابیں چھپ کر سامنے آ چکی ہیں۔

① اَلْـمُـعْلِمُ [1] بشيوخ البخاري ومسلم. ان کی یہ کتاب دار الکتب العلیمۃ بیروت سے شائع ہوئی ہے ② کتاب الثقات

علم حدیث پر انہوں نے مالکی ہونے کی وجہ سے مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر بھی کام کیا ہے اور ان کی کتاب ''أسماء شيوخ الامام مالك بن أنس رحمۃ اللہ علیہ'' بھی چھپ چکی ہے لیکن ان کی بھی بعض کتابیں ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آئیں اور اپنی بساط کی حد تک ہم نے اُن کی کتابوں میں راوی زیر بحث کو تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن مایوسی ہوئی۔ ''المعلم''، میں انہوں نے حرف الشین میں صرف چار رواۃ ① شجاع بن مخلد ② شجاع بن ولید ③ شہاب بن عباد ⑤ شعبان بن فروخ کا ذکر کیا ہے اور شبابہ بن کا کوئی ذکر نہیں۔

علم حدیث پر انہوں نے مالکی ہونے کی وجہ سے مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر بھی کام کیا ہے اور ان کی کتاب ''أسماء شيوخ الامام مالك بن أنس رحمۃ اللہ علیہ'' بھی چھپ چکی ہے لیکن ان کی بھی بعض کتابیں ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آئیں اور اپنی بساط کی حد تک ہم نے اُن کی کتابوں میں راوی زیر بحث کو تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن مایوسی ہوئی۔

---

① یہ کتاب دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان سے اسی نام سے چھپی ہے۔ لیکن خیال ہے کہ یہی وہ کتاب ہے جس کا نام امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے (المفهم) تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: سير أعلام النبلاء، رقم: ٥١، ج:١٣، ص:٧١.

(20)

زیر بحث راوی پر اب اس ہستی کا تبصرہ اور اس شخصیت کی رائے، پڑھنی ہے، جو اپنے دور میں اہل علم کے امام، اسناد و متون احادیث کے حافظ و ناقد اور جنہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ''جائے اُستاذ خالی ست''، بلندی اور انتہا کا مقام ہمیشہ خالی رہتا ہے اور کتنے ہی کام ایسے تھے جو پچھلی صدیوں میں نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے وہ کام بعد والوں کے نصیب میں رقم فرمائے، یہ ہستی ''حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المِزیّ رحمۃ اللہ علیہ'' (از ۶۵۴ھ تا ۷۴۲ھ) کی ہے۔ للّٰہ الحمد والمنة دمشق میں ان کی قبر کی زیارت بارہا نصیب ہوئی۔ دمشق ہی میں حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جس قبرستان ''مقبرہ صوفیہ'' میں مدفون ہیں، اس کو فرانسیسیوں نے اپنے قبضہ شام کی مدت میں مسمار کر دیا تھا اور جو چند ایک قبریں باقی رہ گئی ہیں، ان میں سے ایک قبر تو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور اس کے برابر کی قبروں میں سے ایک قبر میں یہی اپنے زمانے کے امام المحدثین، بحر العلم الزاخر، حامل رایۃ اهل السنة والجماعة والمتدرع جلباب الطاعة حافظ جلال الدین المزی رحمۃ اللہ علیہ خلد نشین ہیں[1]۔ بارہا ان قبور پر حاضری کی سعادت و توفیق ملی اور آنکھیں مایہ دارِ اشک عنابی ہوئیں۔ ان کی وہ کتاب جو رہتی دنیا تک ان کا نام اور کام باقی رکھے گی ''تهذیب الکمال فی

---

(1) ولما مات المِزيّ بعد ذلك بأربعة عشر عاماً، دفن غربي قبر رفيقه وصديقه ابن تيمية رضی اللہ عنہما.
(تهذیب الکمال فی اسماء الرجال للحافظ یوسف المزی رحمۃ اللہ علیہ، مقدمة المحقق، الفصل الاول حیاة المزی ومکانته العلمية، تاثره بالكفر السلفي، ج:۱، ص: ۲۳)

اسماء الرجال ‘‘ ہے۔ طلباء علم حدیث جانتے ہیں کہ لکھنے والے کو کس قدر بلند پایہ کتاب لکھنے کی توفیق ارزاں ہوئی ۔ اسماء الرجال پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے ہمارے اس زیر بحث راوی (شَبَابَہ بِنْ سَوَّار) پر بھی بحث کی ہے ۔ علم حدیث میں ان کے اساتذہ اور شاگرد، کون، کون تھے، ان کی ایک تفصیلی فہرست دی ہے۔ ان کے مرجئی ہونے کا تذکرہ بھی ہے اور پھر ان کے ’’عقیدۂ ارجاء‘‘ سے رجوع کا وہ قصہ بھی ذکر کیا ہے، جو اس سے پہلے تاریخ بغداد ص:36 کے حوالے سے گذر چکا اور پھر ابن قتیبہ ہی کی وہ روایت تحریر کی ہے کہ ان کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی ۔ ①

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ اس راوی نے ’’عقیدۂ ارجاء‘‘ سے رجوع بھی کر لیا تھا اور یہ ① عثمان بن ابی شیبۃ ② ابن شاہین الواعظ ③ حافظ ابوزرعہ رازی رحمہم اللہ کے بعد، چوتھی شہادت ہے۔

پھر اس کے بعد یہ صرف ابن قتیبہ ہی کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ اس راوی کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔

---

(21)

آٹھویں صدی ہجری میں علم حدیث اپنے پختگی کے درجے کو پہنچ چکا تھا اور اِسی علم کے جُز ’’علم اسماء الرجال‘‘ کو اگر پڑھا جائے تو یہ ’’سرخیل ائمہ حدیث، قائد المحدثین، زبدۂ مؤرخین، امام، الحافظ ابوعبداللہ محمد بن احمد شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ ‘‘ (المتوفی ۷۴۸ھ) پر ختم تھا۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

---

①من اسمه شباب و شبابه و شباك ، رقم:٢٦٨٤، ج:١٢، ص:٣٤٣.

کو اگر ''خاتمة الحفاظ'' کہا جائے تو بجا ہے۔ تاریخ اسماء الرجال اور حدیث وفقہ حنبلی پر وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے معاصرین میں حافظ جمال الدین المزی رحمۃ اللہ علیہ (از ۶۵۴ھ تا ۷۴۲ھ)، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۶۶۱ھ ۷۲۸ھ) اور علم الدین بن محمد البرزالی رحمۃ اللہ علیہ (۷۳۹ھ ۶۶۵ھ) جیسی وسیع العلم شخصیات موجود تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسماء الرجال اور تاریخ کا علم تو بس انہی کا حصہ تھا۔ ان کی کتابیں پڑھتے ہوئے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا، اللہ تعالیٰ نے پوری اُمت کی تاریخ، افراد اور واقعات کو ان کے سامنے رکھ دیا ہے اور یہ جس فرد یا واقعہ کو چاہتے ہیں، چن لیتے ہیں اور پھر ضبط تحریر میں لانا شروع کر دیتے ہیں [1]۔ ان کے بعد پھر ان جیسا کوئی شخص آج تک اُمت میں نظر نہیں آتا جسے تاریخ واسماء الرجال، اپنے علم پر اتنا عبور حاصل ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تمام تر محنت وصلاحیت کے باوجود ان کے پاسنگ بھی نہیں اور ان کے بعد پھر کسی ماں نے ایسا بخت آور اور علم کا کھٹلا بھی جنم نہیں دیا فرحمة الله عليه وعلىٰ آبائه و اساتذته .

سچ تو یہ ہے کہ جو میزان نظر میں تولیں
حسن یوسف ترا پاسنگ ترازو نکلے

---

[1] لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ائمہ احناف رحمہم اللہ کا ذکر جب ان کی کتابوں میں آیا ہے تو ان کے علم کا سورج اوٹ میں چلا گیا ہے۔ سیر اعلام النبلاء میں جب حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ آیا ہے تو صرف تین صفحات کے بقدر تحریر فرمایا ہے۔ یہ تو پھر بھی غنیمت ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر تو صرف ڈیڑھ صفحہ پر ہے اور حضرت امام زفر بن هذیل رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی سرسری سا ہے۔ حالانکہ وہ رواۃ جو اِن حضرات سے علم اور فقہ میں کہیں کم درجے کے تھے اُن کے تذکروں سے تو صفحات کے صفحات رنگین ہیں اور یہ ائمہ رشد وھدیٰ رحمہم اللہ جن کی خدمات اور علوم وافکار پر ضخیم مجلدات تحریر کی جاسکتی تھیں، ان کے رشحات علم سے محروم ہیں۔

اسماء الرجال پر ان کی ایک کتاب کا نام ہے ''الرواة الثقات المتكلم فيهم بمالا يوجب ردهم'' یعنی وہ ثقہ رواۃ حدیث جن کی ثقاہت کے بارے میں اگرچہ کلام کیا گیا ہے لیکن ان کی روایات حدیث کو ردّ کرنا ضروری نہیں ہے۔ کتاب کا عنوان ہی بتاتا ہے کہ اس میں کیا ہے؟ پھر انہوں نے ایسے ہی رواۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے شبابہ بن سوّار کا ذکر کیا ہے اور صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ارجاء کے معاملے میں نقل کر کے باقی محدثین کے ہاں ان کی ثقاہت کو ثبت کیا ہے۔ ①

㉒

حافظ ابو ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری کتاب ''المغنی'' میں بھی ان کے متعلق یہی رائے دیتے ہیں کہ یہ راوی فی نفسہ ثقہ ہے ہاں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرجئہ کے دعاۃ میں شمار کیا ہے اور ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ان کی روایات سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا②۔ جس راوی کی احادیث امام بخاری اور امام مسلم جیسے ثقہ حضرات اپنی صحاح میں لائیں، ان کے مقابلے میں حضرت ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کا کیا وزن ہوسکتا ہے؟

---

①شبابة بن سوار احتج به الشيخان ووثقه غير واحد لكن قال أحمد : داعية الى الارجاء. رقم : ٤٢، ص:١٠٧.

②شبابة بن سوار ، ثقة فى نفسه . قال أحمد : كان داعية في الارجاء . وقال أبو حاتم :لا يحتج به ، المغنى فى الضعفاء ، حرف الشين ، رقم :٢٧٣٢، ص:٢٩٤.

㉓

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تیسری کتاب ''میزان الاعتدال فی نقد الرجال ''میں اس راوی کی تعریف بھی کی ہے کہ یہ ثقہ آدمی ہیں اور اسلامی کتابوں میں ان کی روایات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ یہاں ذرا رُک کے اسماء الرجال کے علم کا تقابل بھی کر لینا چاہیے کہ جس شخص کی روایات کو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بلا کھٹک قبول کریں اور حضرت ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ قابلِ احتجاج نہ سمجھتے ہوں تو دونوں ائمہ جرح وتعدیل میں سے کس کی جرح اور کس کی تعدیل مانی جائے گی ؟ پھر حضرت حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے ارجاء سے رجوع کر لیا تھا اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی جرح بھی نقل کی ہے۔ ①

---

① ٣٦٥٣ـ[صح] شبابة بن سوار [ع] المدائنى . صدوق مكثر صاحب حديث ، فيه بدعة .

قال أحمد بن حنبل : كان داعية الى الإرجاء . وقال أبو حاتم : لا يحتج به ، صدوق . وقال ابن عدى : يكنى أبا عمرو ويقال اسمه مروان ، ولقبه شبابة .

وروى أحمد بن أبى يحي ، عن أحمد بن حنبل ، قال : تركت شبابة للإرجاء . قيل له : فأبومعاوية كان مرجئاً. قال : كان شبابة داعية . وقال عثمان بن سعيد : قلت ليحي : فشبابة عن شعبة ؟ قال : ثقه .وقال ابن المدينى : صدوق ، إلا أنه يرى الإرجاء ، ولا ينكر لمن سمع ألوفا أن يجيء بخبر غريب. وقد انفرد شبابة ، عن شعبة عن بكير بن عطاء ، عن عبدالرحمن بن يعمر بحديث فى الزنا. وقال أبو زرعة ، رجع شبابة عن الإرجاء . وقال عبدالله بن روح المدائنى الصدوق : حدثنا شبابة حدثنا عبدالله بن العلاء بن زبر ، حدثنا بسر بن عبيدالله ، عن أبى إدريس الخولانى : كان عند ......

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے باخبر انسان ان پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کے عقیدۂ ارجاء پر کوئی زیادہ توجہ نہیں دیتے ۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ ایسی ہی روش مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں بھی اختیار کی ہے۔ چنانچہ ''میزان الاعتدال'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ ①

> مسعر بن کدام ، امام اور حجت ، ہیں ۔سلیمانی نے ان کے اور حماد بن ابی سلیمان ،نعمان (حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)،عمرو بن مرۃ ،عبدالعزیز بن ابی رڈاد، ابومعاویہ اور عمرو بن ذر وغیرہ ، پوری ایک جماعت کو، مرجئہ کہا ہے ،لیکن اس الزام کو کوئی اہمیت نہیں دینی چاہیے ارجاء تو بہت سے اعلیٰ پائے کے علماء کا مسلک رہا ہے اس لیے جس کسی کا بھی یہ مسلک ہو،اس کے پیچھے نہیں پڑ جانا چاہیے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ ''ارجاء'' ہے جو اہل حق کا مسلک رہا ہے اور اس کی تفصیل اس مضمون میں ، جہاں ارجاء کی تشریح آئی ہے، وہاں گذر چکی ۔ مرجئ ہونے کی تہمت تو بہت سے علماء پر لگی لیکن

......أبی بن کعب ناس من أهل الیمن یقرئهم ، فجاء ت رجلا منهم أقواس من أهله ، فغمز أبی قوساً فأعجبته ، فقال الرجل : أقسمت علیك إلا تسلحها فی سبیل الله . فقال : لا ، حتی أسأل رسول الله صلی الله علیه وسلم.فقال : أتحب أن یاتی الله بها فی عنقك یوم القیامة ناراً !هذا المرسل جید الإسناد غریب . وشبابة یحتمج به فی کتب الإسلام ، ثقة .(حرف الشین ، رقم : ٣٦٥٣،ج:٢،ص:٢٦٠).

①مسعر بن کدام [ع] فحجة إمام ؛ ولا عبرة بقول السلیمانی : کان من المرجئة : مسعر ، وحماد بن أبی سلیمان ، والنعمان ، وعمرو بن مرة ، عبدالعزیز ابن أبی راود، وأبو معاویة ، وعمرو بن ذرّ ...... وسرد جماعة .قلت : الإرجاء مذهب لعدةٍ من جلة العلماء ، لا ینبغی التحامل علی قائله. (مسعر ، رقم :٨٤٦٩،ج:٤،ص:٩٩).

درحقیقت ان میں سے کوئی بھی ''ارجاء'' کا وہ عقیدہ نہ رکھتا تھا، جو کہ خالص گمراہی ہے۔

24

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی چوتھی کتاب ''تذهیب تهذیب الکمال فی اسماء الرجال '' میں، اس راوی کا ذکر کچھ گنے چنے الفاظ میں، کیا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے شبابہ بن سوّار سے ایک مخلوق خدا نے حدیث کی روایت لی ہے اور خود انہوں نے بھی ایک جم غفیر سے حدیث پڑھی ہے صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی ان سب کتابوں میں ان کی روایت مل جاتی ہے پھر حافظ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت نقل کی ہے کہ انہوں نے ''عقیدہ ارجاء'' سے رجوع کر لیا تھا اور امام احمد اور امام حاتم رحمۃ اللہ علیہما کی جرح نقل کی ہے[1] ۔ یہ کتاب گیارہ جلدوں میں الفاروق الحدیثیة للطباعة و النشر، قاہرہ، مصر سے، غنیم عباس غنیم

---

[1] شبابة بن سوار الفزاري مولاهم ، المدائني ، أبو عمرو ، (و) عن : حزير بن عثمان ، ويونس أبي إسحاق (س) ، وعبدالله بن العلاء بن (زبر) (ت س) ، و ابن أبي ذئب (م د ق) ، وشعبة (خ م سق) وإسرائيل (خ د ت)، وورقاء (ع) ، وخلق.وعنه : أحمد ، واسحاق (م) ، وابن (المديني) (خ) ، وابن معين ، وأبو خيثمة (م) ، وعمرو الناقد (م) ، ومحمد بن رافع (خ م س) ، ومحمود بن غيلان (خ) ، وعباس الدوري ، وعبدالله بن روح المدائني ، وعثمان بن عفان السجزي ، وخلائق .
وكان أحمد لا يرضاه للارجاء . وقال ابن معين : ثقة . وقال سعيد بن عمرو : قيل لأبي زرعة ـ وأنا شاهد ـ كان أبو معاوية يرى الارجاء . قال : نعم ويدعو اليه . قيل [فشبابة] أيضاً؟ قال : نعم ورجع عنه وقال الايمان قول وعمل . وقال أبو حاتم : صدوق لا يحتج به .وقال محمد بن المثنىٰ وجماعة : مات سنة ست ومائتين.(حرف الشين ، رقم : ٢٧٢٠ ، ج : ٤ ، ص: ٢٤٤).

اور ایمن سلامہ، دونوں محققین کی تحقیق سے، چھپ چکی ہے۔

---

(25)

شبابہ بن سوار کے بارے میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی پانچویں کتاب ’’الکاشف فی معرفة من له رواية في الكتب الستة‘‘ میں بھی اس راوی شبابہ بن سوّار کا ذکر دو مقامات پر کیا ہے۔ ایک مقام پر تو انھوں نے حجاج بن یوسف الثقفی البغدادی [۱] ـــــ جو کہ امام مسلم اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ کے استاد ہیں ـــــ کے تذکرے میں ضمناً صرف یہ تصریح کی ہے کہ یہ حجاج ابن یوسف، شبابہ بن سوّار کے شاگرد ہیں [۲]۔ اور دوسرے مقام پر اس راوی کا مستقل تذکرہ بھی نہایت اختصار سے کیا ہے، صرف یہ لکھا ہے کہ شبابہ بن سوّار کے اساتذہ اور شاگرد کون، کون سے حضرات تھے۔ مرجئی اور روایت حدیث میں صدوق تھے۔ ابو حاتم کی رائے یہ ہے کہ ان کی روایات سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا اور ان کا انتقال ۲۰۶ھ میں ہوا۔ [۳]

---

۱ ظالم الامة حجاج بن يوسف الثقفی، ناصبی الگ اور یہ اسی نام سے ایک علیحدہ راویٔ حدیث ہیں۔

۲ حجاج بن يوسف الثقفي البغدادي، ابن الشاعر، حافظ رحال، سمع عبدالرزاق، وشبابة، وعنه مسلم، وأبو داود، والمحاملي، وابن أبي حاتم، مات ۲۵۹ م د. (رقم: ۹٤٥، ج:۲، ص:۲٤٥).

۳ شبابة بن سوار أبو عمرو الفزاري مولاهم، المدائني، عن يونس ابن أبي اسحاق، وحريز بن عثمان، وعنه أحمد، وعباس الدوري، مرجئی صدوق، قال أبو حاتم: لا يحتج به، مات ۲۰٦. (رقم: ۲۲۲۹، ج:۲، ص:٥٦١).

(26)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی اسماء الرجال کے موضوع پر چھٹی کتاب ''العبر فی خبر من غبر''، جو کہ ـــ اب تین جلدوں میں چھپی ہے ـــ میں بھی اس راوی کا نہایت مختصر تذکرہ موجود ہے اور ان کے ثقہ اور مرجئ ہونے کی تصریح ہے لیکن اس سے زیادہ کوئی بات نہیں۔ (۱)

---

(27)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ساتویں کتاب ''تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام'' ہے۔ اسلامی تاریخ پر دنیا میں اب تک جتنی کتب تاریخ چھپ کر آئی ہیں، اس کتاب سے ضخیم کتاب، کوئی نہیں ہے۔ عہدِ میمنت لزوم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مصنف نے اپنے دور تک کی نہایت مختصر تاریخ لکھی ہے اور پھر بھی پینتالیس سے زائد جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں شبابہ بن سوّار کا تذکرہ قدرے تفصیل سے ہے لیکن وہی ان کے مرجئ ہونے کا تذکرہ بروایت ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ ان کا رجوع اور ابن قتیبہ کی روایت ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا اور اس کے علاوہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ (۲)

---

(۱) وفيها شبابة بن سوار المدائني الحافظ . روى عن ابن أبي ذئب وطبقته . وكان ثقة مرجئاً .(سنة ست ومائتين ، ج:۱ ،ص: ۲۷٤).

(۲) شبابة بن سوار أبو عمرو الفزاري مولاهم المدائني ، عن : ابن أبي ذئب ، ويونس بن أبي............

(28)

حضرت الامام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس راوی کا سب سے مفصل تذکرہ اپنی آٹھویں کتاب سیر أعلام النبلاء میں کیا ہے،[1] اور انہیں الامام الحافظ الحجۃ جیسے بلند خطابات سے نوازنے کے بعد ان کے اساتذہ اور شاگردوں کی ایک فہرست دی ہے پھر ان کے مرجئی ہونے کا تذکرہ اور حافظ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع عن الارجاء کی روایت تحریر کی ہے۔ راوی کا سن وفات ۲۰۶ھ بتایا ہے اور مکہ مکرمہ ہی کو ان کی جائے وفات قرار دیا ہے لیکن یہاں بھی ذہبی نے ابن قتیبہ ہی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے دیگر کسی ذریعے کا تذکرہ نہیں کیا۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تمام کتابوں کے حوالوں سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہ راوی نہایت قابل اعتماد اور ثقہ تھے۔ جہاں ان پر ارجاء کا الزام ہے وہاں یہ روایت بھی نقل ہوئی ہے کہ انہوں نے ارجاء

...... إسحاق، وشعبة ، وإسرائيل ، وحريز بن عثمان ، وعبدالله بن العلاء بن زيد ، وطائفة .

وعنه : أحمد ، وابن راهويه ، وابن المديني ، وابن معين ، وأحمد بن الفرات ، والحسن الحلواني ، وأبو خيثمة ، ومحمد بن عاصم الثقفي ، وعباس الدوري ، وخلق.قال ابن المديني ، وغيره : كان يرى الإرجاء.وقال أحمد العجلي : قيل لشبابة : أليس الإيمان قولاً وعملاً؟.قال : إذا قال فقد عمل.وقال أبو زرعة : رجع شبابة عن الإرجاء.وقال أحمد بن حنبل : كان شعبة يتفقد أصحاب الحديث ، فقال يوماً : ما فعل ذاك الغلام الجميل ، يعني شبابة .وقال ابن قتيبة : خرج إلى مكة فمات بها .وقال جماعة : تو في سنة ست ومائتين.(حرف الشين ، رقم:۱۹۳،ص:۱۹۰).

(۱) رقم:۱۹۷،ج:۹،ص:۵۱۳.

سے رجوع کرلیا تھا اور ان کا انتقال مکہ مکرمہ ہی میں ہوا تھا۔

---

(29)

آٹھویں صدی ہجری ہی کی ایک اور شخصیت ـــــ جس کے متعلق یہ کہا گیا کہ اُن کے زمانے میں علم حدیث کی مملکت کی حکمرانی اُن پر ختم تھی اور وہ اپنے زمانے کے شیخ الشیوخ تھے ـــــ علامہ علاء الدین مغلطاي بن قليج بن عبدالله البكجري الحكري رحمۃ اللہ علیہ (از ۶۶۹ھ تا ۷۶۲ھ) تھے ان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے اساتذہ ابن دقیق العید، عبدالمؤمن بن خلف الدمیاطي (جن سے یہ بکثرت روایات نقل کرتے ہیں) ابوالحسن بن صواف، ابوعلی الکردي، ابن سیدالناس، ابن الشحنة ، حافظ جمال الدین ابوالحجاج المزی اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبال علم تھے تو اِن کے شاگرد ابن الملقن (جن کی کتابیں پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے استاد (حافظ مغلطای) کا طرز تحریر مکمل طور پر اپنے اندر سمو لیا تھا) امام بلقینی، عراقی، ابومحمد الحنفی الکنانی رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ اساتذہ اور شاگرد ایک سے ایک اپنی مثال آپ اور علم کی اس کہکشاں کے مرکز یہ علامہ علاء الدین مغلطائی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ چار معاصرین ① مغلطائی الحنفی ② ابن کثیر ③ ابن رافع ④ الحسینی، ان چاروں میں سب سے بڑے حافظ الحدیث کون تھے تو انہوں نے بلا تامل فرمایا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سب سے زیادہ مغلطای الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کو ازبر تھیں۔

انہوں نے اسماء الرجال کے موضوع پر ''إكمال تهذيب الكمال فی اسماء الرجال'' کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے جو کہ مطبع الفاروق الحديثية للطباعة والنشر، قاہرہ، مصر سے بارہ جلدوں

میں چھپی ہے، اُس میں زیرِ بحث راوی شبابہ بن سوّار کا تذکرہ کچھ تفصیل سے کیا ہے اور ابن خلفون کے متعلق یہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''الثقات'' میں ازدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شبابہ کا مسلک (رجاء) وہ تھا جس کی مذمت کی گئی ہے لیکن ''الثقات'' کا جو نسخہ ہمارے پیشِ نظر ہے اس میں سِرے سے شبابہ بن سوّار کا تذکرہ ہی نہیں ہے۔ پھر مزید آگے چل کر وہ آجری کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوداؤد سے یہ سُنا کہ شبابہ ''عثمانی'' تھے۔ ①

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر کچھ مختصر سی تشریح یہ بھی کر دی جائے کہ ''عثمانی'' ہونے سے کیا مراد ہے؟ اصل قصہ یہ ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء متقدمین کے دور سے ہی یہ مسئلہ زیرِ بحث رہا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ ؟ جو حضرات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے وہ ''عثمانی'' کہلائے اور جو حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے وہ ''علوی'' کہلائے ②۔ اور بعض اوقات جو شخص حضرت امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو افضل جانتا تھا وہ شیعہ بھی کہلایا حالانکہ یہ مسلک اهل السنة والجماعة رضی اللہ عنہم

---

①شبابة بن سوار الفزاري مولاهم أبو عمرو الداني قيل اسمه مروان .... ولما ذكره ....ابن خلفون في "الثقات" قال : قال الازدى : شبابة رجل مذموم المذهب ، وقال عبدالباقي بن قانع : ثقة................ وقال الآجرى : سمعت أبا داؤد يقول : شبابة عثماني و كان مرجئاً.(باب الشين ، من اسمه شاذ و شبابة و شباك ، رقم : ٢٣٣٦ ، ج : ٦ ، ص: ٢٠٠) .

② یہاں پر مراد وہ ''علوی'' ہیں، جو اپنے عقیدے کے اعتبار سے ''علوی'' ہیں۔ علویوں کی دوسری قسم وہ ہے جو کہ امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد ہے جو حضرت صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اُن کی دیگر ازواج مطہرات سے ہے اور یہ حضرات اپنے نسب کے اعتبار سے علوی ہیں جو کہ یہاں مراد نہیں ہیں۔

کے بعض اکابر کا ہے اور کوفہ کے متعدد رواۃ کو شیعہ کہا گیا حالانکہ اس شیعت کی حقیقت محض اتنی سی ہے کہ اُن پر اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی محبت غالب تھی اور وہ اپنے اس غلبۂ محبت کی وجہ سے شیعہ کہلائے لیکن وہ ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے تھے مثلاً امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں ایک صاحب محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بیان کیے ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ محمد بن فضیل اچھی احادیث بیان کرتے تھے مگر شیعہ تھے اس پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا تبصرہ یہ ہے کہ (شیعہ ہونے کے معنی یہ کہ) وہ صرف اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے تھے حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں جو بعض رواۃ کے ساتھ یہ الفاظ آتے ہیں ''کان عثمانیاً'' (یہ شخص عثمانی تھا)، ''کان علویاً'' (یہ شخص علوی تھا)، اس سے مراد یہی ہوتی ہے۔

حضرت معاویہ بن خدیج، اکثر مؤرخین کے نزدیک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں فتح مصر میں بھی شامل تھے اور افریقہ کی فتوحات میں بھی حصہ لیا اتنے شدید عثمانی تھے کہ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر کے حکمران رہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بالکل بیعت نہیں کی۔ ①

حضرت زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود، امیر المؤمنین خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطاب،

---

① معاویۃ بن خدیج بن جفنۃ قتیرۃ الکندی الخولانی المصری، صحابی علی قول الأکثرین، وذکرہ ابن حبان فی التابعین من الثقاۃ، والصحیح الأول، شھد فتح مصر، وھو الذی وفد الی عمر بفتح الاسکندریۃ، وشھد عبداللّٰہ بن سعد بن أبی سرح قتال البربر، وذھبت عینہ یومئذ، وولی حروباً کثیرۃ فی بلاد المغرب، وکان عثمانیاً فی أیام علي ببلاد مصر، ولم یبایع علیا بالکلیۃ.
(البدایۃ والنھایۃ، باب: ثم دخلت سنۃ وستین، الجزء الثامن، ص: ٦٠).

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت رسالت مآب ﷺ کے چچا حضرت عباس اور امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہم کے اس درجے قابل شاگردوں میں سے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے عربی زبان کے بعض الفاظ کی تشریح دریافت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت زر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ منورہ صرف اس غرض سے حاضر ہوا کہ اُن لوگوں کی زیارت کروں جنہوں نے حضرت رسالت مآب ﷺ کو دیکھا ہے۔ ایک بار یہ بھی فرمایا کہ میں ایک مرتبہ کوفہ کے وفد میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور اللہ کی قسم میری اس حاضری کی غرض اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ میں اُن لوگوں کی زیارت کروں جنہوں نے حضرت رسالت مآب ﷺ کو دیکھا ہے تو میں حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی خدمت میں اتنے تسلسل سے حاضری دیتا رہا کہ اُن کا دوست اور اُن کا صاحب مجلس شمار ہونے لگا اتنی بڑی شخصیت جن سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم نے دنیائے اسلام اور خاص طور پہ فقہ حنفی کو منور و مرتب کیا یہ ''علوی'' تھے اور برملا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے تھے یہ یقیناً اھل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ ہی میں سے تھے دوسری طرف آپ حضرت ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیں تو وہ بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور وہ ''عثمانی'' تھے اپنے زمانے میں علم حدیث کے بڑے ائمہ میں شمار کیے جاتے تھے لیکن امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> کہ ہم نے اپنے مشائخ حضرت زر بن حبیش اور حضرت ابو وائل رحمۃ اللہ علیہم کو دیکھا اِن میں سے کچھ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت کرتے تھے اور کچھ لوگوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ قابل محبت تھے لیکن ان سب حضرات میں آپس کے محبت اور اچھے تعلقات تھے۔

ان عثمانیوں اور علویوں کی محبت اور احترام کا یہ حال تھا کہ حضرت زر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ سے

دوسال بڑے تھے لیکن جب اکھٹے بیٹھتے تھے تو حضرت ابووائل حضرت زر کے سامنے ان کے محض دوسال بڑے ہونے کی وجہ سے ،مارے ادب کے بالکل خاموش رہتے تھے حتی کہ حضرت عاصم رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ اگرچہ ابووائل عثمانی اور زر بن حبیش علوی تھے لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اُن میں سے کسی نے بھی اپنے ممدوح صحابی رضی اللہ عنہ کی افضیلت ثابت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے کوئی بحث کی ہو یہاں تک کہ دونوں حضرات دنیا سے تشریف لے گئے۔

یہ ہے وہ ادب اور احترام اور وسعت ذہنی جو اُن اکابر تابعین رحمہم اللہ میں رہی ہے اور کیوں نہ ہوتی کہ یہ حضرات ائمہ اھل السنۃ میں سے تھے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے عثمانیت اور علویت کے بارے میں بہت صراحت سے یہ بات لکھی ہے کہ دونوں میں سے کسی بھی خلیفہ راشد کو دوسرے خلیفہ راشد رضی اللہ عنہما سے افضل ماننا نہ تو عقیدے کی بدعت ہے اور نہ ہی کوئی گناہ کی بات ہے جمہور اُمت ،اور ائمہ اھل السنۃ کا مسلک اگرچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر افضیلت کا ماننا ہے لیکن کوئی شخص اس کے برعکس کا قائل ہے تو بھی وہ اھل السنۃ والجماعۃ ہی میں داخل ہے چنانچہ اُن کی اصل تحریر کا ترجمہ یہ ہے۔

امیرلموٴمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ،کو امیر الموٴمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے افضل ماننا یہ نہ تو رفض ہے اور نہ ہی کوئی عقیدے کی بدعت بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا ایک جم غفیر اسی عقیدے کا قائل ہے ان دونوں خلفائے کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں بہت سے ایسے اہل علم وفضل ہیں جو ایمان اور جہاد میں اپنے بعد والوں سے سبقت لے چکے ہیں اور جہاں تک ان دونوں (عثمان اور علی رضی اللہ عنہما) کا معاملہ ہے تو اپنے علم اور جلالت شان میں ،ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں اور کوئی بعید نہیں ہے کہ آخرت میں بھی یہ دونوں حضرات ایک ہی درجے میں ہوں اور یہ دونوں ،اللہ تعالیٰ ان سے شادرہے ،شہدائے کرام کے سردار ہیں لیکن جمہور اُمت کا مسلک یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور ہم (اھل السنۃ والجماعۃ) اسی

کے قائل ہیں اور یہ فیصلہ کرنا بہت آسان ہے اور یقیناً، اس عقیدے میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اپنے بعد آنے والے ان دونوں حضراتِ خلفاء سے افضل ہیں اور جو شخص اس عقیدے کا مخالف ہے (یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضل نہیں سمجھتا) وہ پکّا شیعہ ہے اور جو بھی شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے نفرت رکھے لیکن اُن کی خلافت کو درست سمجھے، وہ قابل نفرت بہت بُرا رافضی ہے، جو حضرات شیخین کو بُرا بھلا کہے اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ پہلے دونوں خلفاء راہ ہدایت کے امام نہیں تھے تو وہ ایسے غالی رافضیوں میں سے ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور فرمائے۔ ①

اس لیے حضرت مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ نقل کیا ہے کہ راوی زیرِ بحث (شبابہ بن سوّار) عثمانی تھے تو یہ کوئی جرح نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص، خواہ عثمانی ہو یا علوی، بہر حال اھل السنۃ والجماعۃ ہی میں سے ہے۔

---

① ليس تفضيل علي برفض ولا هو بدعة ، بل قد ذهب اليه خلق من الصحابة والتابعين ، فكل من عثمان وعلي ذو فضل وسابقة وجهاد ، وهما متقابلان في العلم والجلالة ، ولعلهما في الآخرة مساويان في الدرجة ، وهما من سادة الشهداء رضي الله عنهما ولكن جمهور الامة على ترجيح عثمان على الامام علي ، واليه نذهب والخطب في ذلك يسير ، والأفضل منهما لا شك أبو بكر وعمر ، من خالف في ذا فهو شيعي جلد ، ومن أبغض الشيخين واعتقد صحة امامتهما فهو رافضي مقيت ، ومن سبهما واعتقد أنهما ليسا بإمامي هدى فهو من غلاة الرافضة أبعدهم الله.(سير أعلام النبلاء ، الدارقطنى ، ج: ١٦ ، ص: ٤٥٧_٤٥٨).

30

آٹھویں صدی ہجری ہی کے ایک مؤرخ صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۶۴ھ، ہیں یہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد بھی ہیں اور استاد بھی اور اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے سماع حدیث کیا ہے۔ تاریخ اسماء الرجال پر ان کے علم کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ان موضوعات پر دوسو کے قریب کتابیں تحریر کی ہیں اور ایک کتاب تو ایسی بے مثال لکھی ہے کہ اس میں بارہ ہزار سے زیادہ افراد ـــ جن میں حضرات خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بادشاہوں قاضیوں، وزیروں، قاریوں، طبیبوں، حکیموں، شاعروں اور مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں ـــ کے حالات جمع کردیئے ہیں۔ اس کتاب کا نام ہے ''کتاب الوافی بالوفیات'' انتیس جلدوں میں داراحیاء التراث العربی نے بیروت لبنان سے شائع کی ہے۔ اس کی سولہویں جلد میں جہاں شبابہ بن سوّار کا تذکرہ آیا ہے، مؤلف نے ان کے اساتذہ اور طلباء کا ذکر کیا ہے۔ پھر حافظ ابوزرعہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے عقیدۂ ارجاء سے رجوع کرلیا تھا، اور ۲۰۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اس کے علاوہ کچھ جرح وتعدیل نہیں ہے۔ ①

---

① أبو عمرو الفزاري شبابة بن سوار ، أبو عمرو الفزاري مولاهم المدائني . عن ابن أبي ذئب ويونس بن أبي إسحاق وشعبة وإسرائيل وحريز بن عثمان وعبدالله بن العلاء بن زبر وطائفة ؛ وروى عنه أحمد وابن راهويه وابن المديني وابن معين وأحمد ابن الفرات والحسن الحلواني وأبو خيثمة ومحمد بن عاصم الثقفي وعباس الدوري وخلق . قال ابن المديني وغيره : كان يرى الإرجاء ،وقال أحمد العجلي ، قيل لشبابة : أليس الإيمان قولاً وعملاً ؟ قال : إذا قال فقد عمل ؛ وقال أبو زرعة :......

(31)

آٹھویں صدی ہجری کے بعد اب ہم نویں صدی ہجری میں اسماء الرجال کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک ممتاز کتاب ''کفایة السؤل فی مراة السنة والاصول '' کو کھولتے ہیں جو کہ حافظ برہان الدین ابو الوفاء ابراہیم بن محمد بن خلیل الطرابلس المعروف بسبط بن العجمی رحمۃ اللہ علیہ (از ۷۵۳ھ تا ۸۴۱ھ) کی تصنیف، دس جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں نو ہزار تین سو اڑسٹھ خواتین وحضرات کے دلچسپ تذکرے، بے شمار معلومات اور قدماء رضی اللہ عنہم کے سوانحی خاکے ہیں۔ شبابہ بن سوّار کا تذکرہ بھی موجود ہے اور ان کے اساتذہ اور شاگردوں کا بھی ذکر ہے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کہ یہ مرجئ تھے بھی موجود ہے اور اس کی تردید بھی۔ جو کچھ ان سے پہلے مؤرخین اور علماء اسماء الرجال بیان کرتے رہے ہیں وہی کچھ انہوں نے لکھا ہے؟[1]

---

(32)

نویں صدی ہجری ہی میں پھر وہ آخری ہستی پیدا ہوئی جس کی ٹکر کا کوئی ایک محدث بھی، پھر اس کے بعد دنیائے اسلام میں نہ آیا۔ اسماء الرجال پر وہ گہری نظر کہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے

...... رجع شبابة عن الإرجاء؛ وتوفي سنة ست ومائتين، وروى له الجماعة.(حرف الشين، رقم: ٥٣٤٥، ج:١٦، ص:٥٦).

(1) حرف الشين، رقم: ٢٦٥٧/ ٢٦٨٤، ج:٣،ص:١٠٣٣.

بعد ذہبی ثانی تھے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ حدیث، تاریخ اور شاعری میں راسخ قدم اور صحیح بخاری کے شارح احمد بن علی حجر العسقلانی (از ۷۷۳ھ تا ۸۵۲ھ) تغمده اللّٰه برضائه ورحمته۔ اس شخصیت کا مقام و مرتبہ پہچاننا ہو تو ان کے شاگرد حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن البخاری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی (۹۰۲ھ) کی کتاب ''الجواهر والدرر فی ترجمة شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری کی شرح ''فتح الباری'' سے پہلے، اس کا مقدمہ ''ھدی الساری'' ۸۱۳ھ میں مکمل کر لیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ مقدمہ علم اور اپنی وقعت کے اعتبار سے، اصل شرح بخاری فتح الباری سے بھی زیادہ اہم ہو گیا ہے۔ یہ مقدمہ اگر کسی نے پڑھا ہو تو جانے گا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت نظر اور علم کا عمق یہاں کھل کر سامنے آیا ہے۔ افسوس کہ اہل علم نے اس کی اتنی قدر اور قرأت نہیں کی، جس کا وہ مستحق تھا۔

اس مقدمے میں انھوں نے صحیح بخاری پر وارد مشہور اعتراضات میں سے اس اعتراض کا جواب بھی دیا ہے کہ حضرۃ الامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح'' میں اھل السنۃ والجماعۃ کے علاوہ معتزلہ، مرجئہ، قدریہ خوارج، شیعہ اور رافضی رواۃ سے احادیث کیوں نقل کی ہیں؟ ''الفصل التاسع فی سیاق اسماء من طعن فیه من رجال هذا الکتاب'' اسی اعتراض کا جواب ہے۔ شبابہ بن سوّار ــــــ جیسا کہ ظاہر ہے، صحیح بخاری کے قابل اعتراض رواۃ میں سے ہیں ــــــ ان پر یہ اعتراض ہوا کہ وہ مرجئی تھے تو پھر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت حدیث کیوں لی؟ اس کے جواب میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شبابہ بن سوّار کے توثیق کرنے والوں میں ابن معین، ابن سعد، ابوزرعہ اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہم کا نام لیا ہے۔ علم حدیث کے ماہرین جانتے ہیں کہ ان مذکورہ محدثین میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام پر علم کا پہاڑ ہے اور جس شخص کی توثیق اتنے بڑے بڑے پانچ حفّاظ حدیث کر دیں تو پھر کون اسے غیر ثقہ قرار

دے سکتا ہے؟ پھر اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ راوی کا عقیدۂ ارجاء سے رجوع بھی نقل کرتے ہیں اور حضرت ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ ①

''میں کہتا ہوں کہ سعید بن عمرو البردعی نے ابوزرعۃ سے یہ روایت کی ہے کہ شبابہ نے عقیدۂ ارجاء سے رجوع کرلیا تھا اور یہ بھی غور کرلینا چاہیے کہ شبابہ کی روایات سے محدثین کے ایک گروہ نے علم حدیث میں استدلال کیا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ شبابہ بن سوّار نے اپنے عقیدۂ ارجاء سے توبہ کرلی تھی۔

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کا یہ مقدمہ ھدی الساری ۸۱۳ھ میں مکمل کرلیا تھا جب کہ فتح الباری شرح بخاری کی تکمیل ۸۴۲ھ میں ہوئی تھی۔

---

①شبابة بن سوار أبو عمرو المدائنی وثقه ابن معين وابن المدينی وابن سعد وأبو زرعة وعثمان بن أبي شيبة وغيرهم، وقال أحمد : كتبت عنه شيئا يسيرا قبل أن أعلم أنه يقول بالارجاء ، وقال ابن خراش : كان أحمد لا يرضاه وهو صدوق ، وقال الساجی نحو ذلك وزاد أنه كان داعية ، وقال احمد أبي يحى عن أحمد بن حنبل تركته للارجاء فقيل له فأبو معاوية كان مرجئا فقال : كان شبابة داعية ، وقال أبو حاتم صدوق يكتب حديثه ولا يحتج به ، وقال ابن عدى انما ذمه الناس للارجاء ، وأما فی الحديث فلا بأس به . قلت : قد حكى سعيد بن عمرو البردعى عن أبی زرعة أن شبابة رجع عن الارجاء ، وقد احتج به الجماعة . (حرف الشين المعجمه ، ج:١٤، ص:٤٠٩).

33

اسماء الرجال پر حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری کتاب تہذیب التہذیب ہے جو ۸۰۷ھ میں مکمل ہوئی اوران کی چوتھی کتاب تقریب التہذیب ہے جو کہ ۸۲۷ھ میں مکمل ہوئی اور پانچویں کتاب الدرالکامنہ ہے جس کی تکمیل ۸۳۰ھ میں ہوئی۔ان کی یہ دوممتاز کتابیں (تہذیب والتہذیب اور تقریب التہذیب) کیسے وجود میں آئیں پہلے اس قصے کو پڑھ لیتے ہیں اور پھراس کے بعد دوبارہ شبابہ بن سوّار، راوی کے قصے کی طرف پلٹتے ہیں۔

34

بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ کتب اسماء الرجال پر، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، ہمیں اب تک جو تحقیق کرنے کا موقع ملا تواس کے نتیجے میں یہ بات واضح ہوئی کہ حافظ الشام ابو القاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (از ۴۹۹ھ تا ۵۷۱ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ ارادہ کیا کہ صحاح ستہ (① صحیح بخاری ② صحیح مسلم ③ سنن ترمذی ④ سنن ابو داوٗد ⑤ سنن النسائی ⑥ سنن ابن ماجہ) کے مؤلفین رحمہم اللہ کے، براہ راست جو شیوخ حدیث ہیں، اُن کے حالات جمع کیے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ایک کتاب لکھی جس کا نام "المعجم المشتمل علی ذکر اسماء الشیوخ الائمۃ النبل" رکھا۔[1]

---

① عراق کے پہلے سفر میں مکتبۃ الاوقاف میں اس کتاب کے ایک نسخے کی زیارت ہوئی تھی اور غالباً یہ اب تک غیر مطبوعہ ہے۔

ان کی یہ کتاب حافظ کبیر ابو محمد عبد الغنی بن عبد الواحد المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (از ۵۴۴ھ تا ۶۰۰ھ) کی نظر سے گذری تو انہیں یہ خیال آیا کہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف اُن محدثین کے حالات تحریر فرمائے ہیں، جو کہ براہ راست مؤلفین صحاح ستہ کے مشائخ تھے، کیوں نہ اسی کتاب میں مزید اضافہ کیے جائیں جائے اور ایسی کتاب مرتب ہو جس میں صحاح ستہ کے مشائخ کے ساتھ ساتھ صحاح ستہ میں ہی جتنے بھی افراد کا ذکر آیا ہے، سب کے حالات تحریر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اس منصوبے کو مکمل کیا اور ''الکمال فی اسماء الرجال'' کے عنوان سے ایک نہایت جامع تالیف وجود میں آئی۔

اب اہل علم نے جب اس کتاب کا مطالعہ کیا تو انہیں یہ کمی محسوس ہوئی کہ جن رواۃ کا بھی تذکرہ تحریر کیا گیا ہے، ان کے متعلق بہت سی ضروری معلومات، قید تحریر میں آنے سے رہ گئی ہیں سوال یہ پیدا ہوا کہ اب اس کمی کو کیسے پورا کیا جائے؟ اس سوال کے جواب میں اسی کتاب ''الکمال فی اسماء الرجال''، ہی کو بنیاد بنا کر حضرت حافظ جمال الدین بن یوسف المزی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۴۲ھ نے اپنی مشہور زمانہ تالیف ''تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' ماہ مبارک محرم الحرام ۷۰۵ھ میں لکھنی شروع کی اور آٹھ سال کی سرتوڑ محنت کے بعد بروز عید الاضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ ۷۱۲ھ کو اسے مکمل کر لیا۔ اب اس نوموجود کتاب میں انہوں نے صرف صحاح ستہ ہی کے رواۃ کو نہیں بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ① القراۃ خلف الامام ② کتاب رفع الیدین فی الصلاۃ ③ کتاب الادب المفرد ④ کتاب خلق افعال العباد اور ⑤ ما استشھد بہ فی الصحیح تعلیقاً کے افراد، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح مسلم کے مقدمے میں جن حضرات کا تذکرہ فرمایا ہے ان کے اسماء امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی سات کتابوں ① کتاب المراسیل ② کتاب الرد علی أھل القدر ③ کتاب الناسخ والمنسوخ ④ کتاب التفرد (وھو ما تفرد بہ أھل الأمصار من السنن)

⑤ کتاب فضائل الأنصار ⑥ کتاب مسائل الامام احمد (وھي المسائل التي سأل عنھا ابا عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل) ⑦ کتاب مسند حدیث مالک بن انس کے رواۃ۔

شمائل ترمذی کے افراد، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی چار کتابوں ① کتاب عمل یوم ولیلۃ ② کتاب خصائص أمیر المؤمنین علي بن أبی طالب رضی اللہ عنہ ③ کتاب مسند علي رضی اللہ عنہ ④ کتاب مسند حدیث مالک بن انس رضی اللہ عنہ اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التفسیر کے تمام افراد کے تراجم کا اضافہ کرکے اصل کتاب (الکمال فی اسماء الرجال) میں مزید سترہ سو افراد کے تراجم کا اضافہ فرمادیا۔

اس کتاب کی تکمیل کے بعد علم کی دنیا میں تہلکہ مچ گیا، ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور زمانے کی رفتار روک کر، پڑھی گئی معاصرت جو کہ منافرت کا بہت قوی سبب ہے اس کے باوجود، بڑے بڑے معاصرین نے سر جھکا دیئے اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے علم اور کاوش کا خراج وصول کیا۔ اس کتاب نے علماء اسماء الرجال کی توجہ، اپنی سمت ایسے مبذول کرائی کہ اکابر اہل علم وفضل اس کتاب کو درجۂ مخدومیت میں رکھنے کے شرف سے مشرف ہوئے۔

مثلاً امام محمد بن علی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (از ۷۱۵ھ تا ۷۶۵ھ) نے جب اس کتاب کا مطالعہ کیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں اگرچہ ان رواۃ کا تذکرہ تو کیا ہے، جو کہ مسند احمد میں آئے ہیں لیکن مسند احمد ہی کے بعض رواۃ کا ذکر باقی رہ گیا ہے، تو اس کمی کو پورا کرنے کے کے لیے انہوں نے اسی کتاب کو بنیاد بنا کر ایک اور کتاب تحریر فرمائی اور اس کا نام ''الاکمال فیمن لہ روایۃ فی مسند الامام احمد من الرجال سوی من ذکر فی تہذیب الکمال'' تحریر فرمائی۔ چونکہ اس کتاب کی تالیف کا سبب ''تہذیب الکمال'' تھی اس لیے اس کتاب ''الاکمال'' کو بھی اصل کتاب (تہذیب الکمال) کی خدمت قرار دیا گیا۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ''تہذیب الکمال'' کا مطالعہ فرمایا تو اس سے شدید متاثر ہوئے۔ وہ خود بھی

صاحب کمال تھے اس لیے انہیں اندازہ ہوا کہ ایک تو اس بے مثال کتاب میں ابھی تک بعض اضافوں اور توضیحات کی گنجائش باقی ہے اور پھر دوسرے، ان کے دوستوں نے بھی ان سے التماس کی کہ یہ کتاب (تہذیب الکمال) اگر چہ نہایت مفید بھی ہے لیکن طویل بھی ہے۔ آپ خود ہمت بلند کر کے اس کی تلخیص کر دیں تو بہت سے لوگوں کے لیے، اس سے استفادہ آسان ہو جائے گا۔

چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں وجوہ کے پیش نظر اصل کتاب کی نہ صرف تلخیص کی بلکہ بعض ضروری اور اہم خلاء بھی پُر کیے۔ ان کی ان مساعی جمیلہ سے ایک نئی کتاب وجود پذیر ہوئی جس کا نام ہے ''تذھیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' یہ خدمت بھی اصل کتاب ''تہذیب الکمال'' ہی کی ہوئی۔ اُن کی اپنی چار مایہ ناز کتابیں ① تذھیب التہذیب ② الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ ③ المجرد من تہذیب الکمال ④ المقتضب من تہذیب الکمال۔ [1] اسی ''تہذیب الکمال'' کی خدمت، اُس سے استفادے کا نتیجہ ہیں اور انہوں نے درحقیقت ''تہذیب الکمال'' ہی کو سامنے رکھ کر یہ چاروں کتابیں محنت سے مرتب فرمائی ہیں۔

اس کتاب (تہذیب الکمال) کی ایک خدمت وہ بھی ہے جو علامہ علاؤالدین مغلطائی ابن قلیج الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (از ۶۸۹ھ تا ۷۶۲ھ) نے کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کا تکملہ لکھا اور اس کا نام ''اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' تجویز فرمایا۔ حقیقت میں یہ تکملہ اتنا شاندار ہے کہ اگر اصل کتاب کے مصنف حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے اور اس ''تکملہ'' کو ملاحظہ فرماتے تو علامہ مغلطای حنفی رحمۃ اللہ علیہ کو داد دیتے اور اُن کی اس علمی کاوش کو سراہتے۔ یہ کتاب ''مطبع الفاروق الحدیثیۃ للطباعۃ والنشر''

---

① امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ آخری دونوں کتابیں ''المجرد'' اور ''المقتضب'' ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آئیں۔ ان میں سے ''المجرد'' کا ایک نسخہ، جرمنی کے سفر میں برلن لائبریری جرمنی میں، تھا جہاں اُس کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا۔

قاہرہ، مصر سے ۱۴۲۲ھ میں بارہ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔
اس کتاب کی ایک اور خدمت حافظ مغلطای الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد علامہ سراج الدین ابن ملقن رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۰۴ھ نے بھی کی اور ''اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' تصنیف فرمائی۔ بروکلمان نے اس نسخے کی نشاندہی کی ہے اور غالباً ابھی تک یہ نسخہ غیر مطبوعہ ہے۔
اسی کتاب کی ایک خدمت حضرت ابو العباس احمد بن سعد غسانی اندرشی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۵۰ھ نے بھی کی اور اس کتاب کا ایک خلاصہ تیار کیا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الدرر الکامنۃ'' میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ①
اس کتاب ''تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' کی ایک خدمت یہ بھی ہوئی کہ حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا خلاصہ لکھا اور وہ خلاصہ اصل کتاب کا ایک تہائی باقی بچا اور پھر دیگر کتب اسماء الرجال کی مدد سے اس خلاصے میں کچھ اہم اور ضروری معلومات کا اضافہ بھی فرمایا۔ اپنی اس کاوش کا نام انہوں نے ''تہذیب التہذیب'' رکھا اور ۸۰۷ھ میں اس اہم کام سے فارغ ہوئے۔ پھر بیس برس کے بعد انہوں نے اپنی اسی کتاب ''تہذیب التہذیب'' کا خلاصہ بھی لکھا اور اس کا نام ''تقریب التہذیب'' رکھا۔ یہ کام ۸۲۷ھ میں پورا ہوا۔ گویا کہ یہ دونوں کتابیں بھی در اصل ''تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' ہی کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئیں۔
سو یہ قصہ تھا حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی، علم اسماء الرجال پر ان کی دو اہم کتابوں، کی تالیف کا۔
نویں صدی ہجری کے بعد یہ بات نہیں ہے کہ علم اسماء الرجال پر، کتابیں تحریر نہیں کی گئیں، متعدد نام

① حرف الأول، رقم: ۳۷۹، ج: ۱، ص: ۱۳۵.

گنے جاسکتے ہیں لیکن ان تمام کتابوں میں جو کچھ بھی رواۃ کے حالات تحریر کیے گئے، وہ مواد درحقیقت قدماء ہی کی کتابوں سے لیا گیا تھا کسی بھی نئی بات کا اضافہ ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

35

اب ہم پھر اپنے زیرِ بحث راوی شبابہ بن سوّار کے تذکرے کی طرف لوٹتے ہیں کہ جن پر پہلا الزام تو یہ تھا کہ وہ مرجئ تھے، دوسرے یہ کہ وہ عثمانی تھے، تیسرے یہ کہ وہ شیعہ کے سخت خلاف تھے اور چوتھی اہم بات یہ تھی کہ ان کے معاصر (تقریباً) ابن قتیبہ نے یہ کہا تھا کہ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تہذیب التہذیب'' میں شبابہ بن سوّار کا تذکرہ قدرے تفصیل سے لکھا ہے اور اب کوشش یہ ہے کہ اس تذکرے میں بھی راوی پر جو الزامات ملتے ہیں یا قدیم الزامات کو دہرایا گیا ہے، ان پر ایک مسکت بحث تحریر کردی جائے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تذکرے کے آغاز ہی میں یہ اطلاع دی ہے کہ اس راوی کے نام ''شبابہ بن سوّار'' میں اختلاف ہے اور کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کا نام ''مروان'' تھا۔[1]

اس سے قبل یہی بات ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے (13) گذر چکی ہے لیکن بات تو یہ ہے کہ ''شبابہ'' کو تمام معاصرین اسی نام سے یاد کرتے ہیں اور بالفرض ان کا نام بجائے ''شبابہ'' کے ''مروان'' تھا تو بھی فرق کیا پڑا؟ علماء اسماء الرجال نے اُنہیں ''شبابہ'' ہی کے نام سے جانا اور اب تک وہی نام لکھا اور پڑھا جارہا ہے۔

پھر انہوں نے ان کے اساتذہ کے نام گنوائے ہیں جن میں شعبہ، ابن ابی اسحٰق، ابن ابی ذئب، امام

---

[1] قيل اسمه مروان ، حكاه ابن عدي.

لیث بن سعد، عبدالعزیز الماجشون اور محمد بن طلحہ جیسے علماء ومشائخ حدیث عطر اللہ ضرائحھم القادسیہ، شامل ہیں اور پھر ان کے شاگردوں کی فہرست دی ہے جن میں امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راھویہ، علی بن مدینی، ابوسریج الرازی، حسن بن صباح البزار اور یحیٰ بن موسیٰ رحمہم اللہ جیسے زعمائے حدیث شامل ہیں۔

پھر اس راوی پر یہی (پہلا) الزام ہے کہ یہ مرجئ تھے بلکہ ان کے ''دعاۃ'' میں سے ایک تھے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے حدیث کی روایت ترک کردی تھی۔

اس الزام پر غور کیا جائے تو اصلاً یہ روایت حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جسے بعد کے تمام مؤرخین اور علماء نے نقل کیا ہے۔ لیکن اسی الزام کے برعکس ہمیں پانچ شخصیات ایسی دکھائی دیتی ہیں جو راوی سے اس الزام کی نفی کرتی ہیں۔ ① عثمان بن ابی شیبہ ② ابن شاہین واعظ ③ حافظ ابو زرعہ رازی ④ حافظ یوسف المزی ⑤ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ جیسا کہ اس مضمون میں اپنے اپنے مقامات پر یہ حقائق بیان کیے جاچکے ہیں۔

یہ پانچوں ہستیاں اور خاص طور سے حضرت حافظ ابو زرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ جب تردید کررہے ہیں کہ وہ شخص ایسا نہیں تھا تو ممکن ہے کہ اس راوی نے اپنے عقیدۂ ارجاء سے رجوع کرلیا ہو اور اس رجوع کی خبر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو نہ مل سکی ہو اور وہ اپنے مؤقف پر ہی قائم رہے ہوں اور ان کے بعد والوں کو خبر مل گئی اور انہوں نے مرجئ ہونے کی تردید کردی۔

پھر حضرت الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو جو بدعتی رواۃ سے بُعد تھا، اس حوالے سے بھی دیکھا جائے تو اس معاملے میں ان کے طبعی اثرات کا پڑنا بھی کچھ بعید نہیں ہے۔ اس لیے یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ اس راوی کے عقیدے ارجاء کے متعلق دونوں متضاد پہلو موجود ہیں لیکن ان کو برابر مرجئ قرار دینا درست نہیں۔

اس مقام پر حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی، حافظ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خبر نقل کی ہے کہ اس راوی نے ''عقیدہ ارجاء'' سے رجوع کرلیا تھا۔

پھراس راوی کے متعلق وہی بات (دوسرا الزام) تحریر فرمائی ہے، جس کا تعلق تجسیم باری تعالیٰ (والعیاذ باللہ) سے ہے۔ لیکن درحقیقت یہ عقیدہ بھی ''عقیدۂ ارجاء'' ہی کا ایک شاخسانہ ہے، جب انہوں نے اصل عقیدے ہی سے رجوع کرلیا تو پھراس کی شاخ پر بحث ہی کیا؟

تیسرے الزام کا ذکر اگرچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں لکھا لیکن وہ یہ جرح کی گئی تھی کہ یہ راوی عثمانی (28) تھے، تواس جرح کا جواب بھی اسی مقام پر دے دیا گیا تھا کہ عثمانی ہونا تو کچھ عیب نہیں کہ وہ اھل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ اگران پر ''شیعہ'' ہونے کا الزام ہوتا تو پھر مزید تحقیق ہوتی۔ عثمانی ہونا تو درحقیقت سُنی ہونا ہی ہے۔ کثر اللہ سوادھم۔

چوتھا الزام جو ابن قتیبہ نے تحریر کیا تھا کہ یہ راوی اہل تشیع کے ساتھ کوئی نرمی برتنے کو تیار نہ تھے، اگرچہ یہ بات اپنے مقام پر درست اور ناقابل جرح ہے لیکن غور کرنے کے قابل پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن قتیبہ کے بعد کے علماء اسماء الرجال میں سے کسی نے بھی اس بات کو نقل نہیں کیا، کیوں؟ کیا ان کی شیعہ مخالفت اس درجہ کم تھی کہ قابل ذکر ہی نہ تھی یا پھر یہ کہ اس سلسلے میں اور کوئی روایت نہیں مل سکی اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ اہل تشیع کے ساتھ کوئی نرمی برتنے کو تیار نہ تھے تو کیا یہ سختی کا جذبہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ رفتہ رفتہ وہ حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے بھی نفرت کرنے لگ گئے تھے؟ اہل تشیع سے نفرت تو اس مقدمے کا صغریٰ ہوا اور اس کا کبریٰ، وہ روایت ہے، جو اس راوی کا تذکرہ مکمل کرتے ہوئے، حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی ہے۔ (1)

---

(1) حدثنی رجل معروف من أهل المدائن قال: رأيت في المنام رجلاً نظيف الثوب حسن الهيئة فقال لي: من أين أنت؟ قلت: من أهل المدائن، قال: من أهل الجانب الذي فيه شبابة؟ قلت:......

اہل مدائن میں سے ایک معروف آدمی نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے ایک شخص کو صاف ستھرے لباس میں ملبوس اور بہت اچھی حالت میں دیکھا۔ اس نے دریافت کیا کہ تم کہاں سے ہو؟ عرض کیا کہ اہل مدائن میں سے۔ دریافت فرمایا وہاں رہتے ہو، جہاں شبابہ رہتے ہیں؟ عرض کیا کہ جی ہاں وہیں رہتا ہوں۔ فرمایا میں دعا مانگتا ہوں آپ اس پر آمین کہیے

''اے اللہ اگر شبابہ آپ کے نبی ﷺ کے اہل بیت سے نفرت کرتا ہے تو اسی وقت، اس پر فالج گرادے۔

میری آنکھ کھل گئی اور ظہر کے وقت، میں جب اُس محلے میں پہنچا تو لوگوں کا ہجوم ہو رہا تھا میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ تو لوگوں نے بتایا کہ شبابہ کو بوقت سحر فالج ہوا اور ابھی ان کا انتقال ہو گیا ہے۔''

اس صغریٰ و کبریٰ کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شبابہ بن سوار، حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے نفرت رکھتے تھے۔

اس مقدمے کا پہلا حصہ ـــــ اہل تشیع سے بُعد ـــــ نہ ہی تو جرح ہے اور نہ ہی قابل مذمت۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں کتنے ہی ائمہ حدیث رحمہم اللہ کا تذکرہ آتا ہے کہ انہیں اہل تشیع سے بُعد تھا لیکن وہ ہمیشہ حضراتِ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا دم بھرتے رہے۔ اصل گفتگو تو ''کبریٰ'' پر ہے کہ شبابہ حضراتِ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے تھے چنانچہ ان پر فالج پڑا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔

یہ ''کبریٰ'' اور یہ ''خواب'' آیا کہاں سے؟ یہ روایت حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کہاں

...... نعم، قال : فاني أدعو الله فأمن على دعائي :" **اللهم ان كان شبابة يبغض أهل نبيك فاضربه الساعة بفالج** " قال : فانتهبت وجئت الى المدائن وقت الظهر واذا الناس في هرج ، فقلت : ما للناس ؟ فقالوا : فلج شبابة في السحر ومات الساعة .(حرف الشين ، من اسمه شبابة ، ج : ٣ ، ص: ٥٩١).

سے کی ہے؟ شبابہ بن سوّار کا انتقال ۲۰۶ھ میں ہوا اور یہ کتاب ــــ تہذیب التہذیب ــــ ۸۰۷ھ میں مکمل ہوئی تو اس واقع اور کتاب کے درمیان، یہ فاصلہ چھ صدیوں کا بنتا ہے۔ اس دوران اسماء الرجال پر اب تک جتنی بھی کتابیں چھپ کر آئی ہیں ان میں سے تقریباً ہر صدی کی کتاب کی تصریحات اس مضمون میں نقل کر دی گئی ہیں۔ کسی ایک شخص نے بھی یہ نہیں لکھا کہ شبابہ کو حضرات اہل بیتِ کرام رضی اللہ عنہم سے نفرت تھی۔ چنانچہ اس کی پاداش میں ان پر فالج گرا اور وہ مدائن میں وفات پا کر وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو تقریباً چھ سو برس کے بعد ''اس حقیقت'' کا انکشاف کہاں سے ہوا؟

اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ یا تو یہ روایت ہی ''نقل خطا'' کے زمرے میں ڈال دی جائے۔ کہ کسی نے کبھی یہ غلط روایت چلا دی ہوگی اور پھر وہ ہوتے ہوتے، حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی اور انہوں نے تحریر فرما دی اور یا پھر یہ مان لیا جائے کہ یہ روایت اسماء الرجال کی ان کتابوں میں سے کسی کتاب میں موجود ہوگی جو اب تک مخطوطات ہی کی صورت موجود و محفوظ ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ وہ ''نوادرات'' کب چھپ کر سامنے آئیں گے اور یہ اور اس جیسی کئی ایک مغلق روایات کی مکمل تنقیح و تصحیح ہوگی۔ یہ روایت اس طرح سے بھی قابل غور ہے کہ اس راوی کے اقرب معاصر ابن قتیبہ تو یہ گواہی دیتے ہیں کہ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اور یہ خواب والے صاحب بتاتے ہیں کہ انتقال مدائن میں ہوا۔ کس روایت کو ترجیح دی جائے؟

مکہ مکرمہ والی روایت قدیم بھی ہے، اس پر کسی نے کبھی جرح بھی نہیں کی، بعد کے مؤرخین خطیب بغدادی و حافظ ذہبی رحمہم اللہ وغیرہ ہمیشہ اسے ابن قتیبہ ہی کے حوالے سے بلا کھٹک و تنقید نقل کرتے چلے آئے ہیں آیا اسے مانا جائے؟ یا یہ کہ ــــ اب تک جتنی تحقیق کی گئی ہے ــــ حضرت حافظ ابن حجر

عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ پہلے شخص ہیں جو اس راوی کے بُغض اہل بیت، فالج اور مدائن میں تدفین کی خبر دے رہے ہیں، ان کی روایت کو تسلیم کرلیا جائے؟

جب تک کوئی مزید تحقیق سامنے نہ آئے، بظاہر یہ بات حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے تسامحات میں سے ہے کہ انہوں نے ایک ایسی روایت نقل فرما دی، جس روایت کی بُو تک بھی ان علماء اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں پائی گئی جو کہ ان سے زیادہ وسیع النظر اور اعلیٰ درجے کے مؤرخ تھے۔ تجاوز اللہ عنا و عنھم و سامحھم اللہ و ایّا نا.

سو جب اس روایت کے مآخذ کا علم نہیں ہے تو کیوں نہ ہم ابن قتیبہ کی روایت کو ترجیح دیں کہ شبابہ بن سوّار کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا تھا اور تدفین مدائن کی روایت درست نہیں ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال نویں صدی ہجری (۸۵۷ھ) میں ہوا۔ آیئے اسماء الرجال پر ان کے بعد لکھی جانے والی کتابوں پر ایک نظر دوڑاتے ہیں کہ شاید تدفین مدائن والی اس مجہول روایت کا کوئی سراغ مل سکے۔

36

گیارہویں صدی ہجری کے مشہور مؤرخ ابو الفلاح عبدالحی بن احمد بن محمد المعروف بابن العماد الدمشقی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (از ۱۰۳۲ھ تا ۱۰۸۹ھ) ہیں۔ یہ مسلکاً حنبلی تھے اور انہوں نے فقہ حنبلی اور تاریخ حنابلہ پر بہت عمدہ کام کیا۔ حنبلی فقہاء کرام رحمھم اللہ کی تاریخ پر ''النعت الاکمل لاصحاب الامام احمد بن حنبل'' اور ''السحب الوابلۃ علی ضرائح الحنابلۃ'' جیسی شاندار کتابیں تحریر کیں۔ اپنی صدی یعنی گیارہویں صدی ہجری کے ''اعیان'' کے احوال و اذکار پر مشتمل ایک تاریخ لکھی جو کہ ''خلاصۃ

الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر‘‘ کے نام سے چھپ چکی ہے۔تاریخ پر ان کی مشہور کتاب ’’شذرات الذھب فی اخبار من ذھب‘‘ آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے اور اس میں ۲۰۶ھ کے حالات تحریر فرماتے ہوئے ،انہوں نے صرف ایک سطر میں روای کی ثقاہت و مرجئت کے احوال تحریر کر کے تذکرہ ختم کر دیا ہے۔①

---

(37)

اسماء الرجال پر پندرہویں صدی میں ایک نئی کتاب سامنے آئی ہے جسے اگر چہ نام تو ’’موسوعہ‘‘ کا دیا گیا ہے لیکن وہ درحقیقت اغلاط سے بھرپور اور شدید محنت کے باوجود، ایک لایعنی کاوش ہے۔موسوعہ ہونا تو درکنار اپنی ضخامت میں ایک اچھی تاریخ کے بقدر بھی نہیں ہے۔کل چار جلدوں میں ہے اور اس میں علم حدیث کی بنیادی کتابوں میں سے گیارہ کتابوں ① صحیح بخاری ② صحیح مسلم ③ سنن اَبی داوٗد ④ سنن الترمذی ⑤ سنن النسائی ⑥ سنن ابن ماجہ ⑦ موٗطا امام مالک ⑧ سنن الدارمی ⑨ مسند امام احمد ⑩ مسند الشافعی ⑪ مسند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ،کے رواۃ کے مختصر حالات ، بیان کیے گئے ہیں۔

زیر بحث راوی کی وفات کے حالات کا تذکرہ تو کیا ملتا، عجیب فروگذاشت نظر سے یہ گذری کہ شبابہ بن سوّار کا سن وفات ۲۵۴ھ، ۲۵۵ھ، ۲۵۶ھ تحریر ہے۔اب یہ غلطی یا تو اِس موسوعہ کے مرتبین کی

---

①وشبابة بن سوار المداينی الحافظ روی عن ابن أبی ذئب وطبقته و كان ثقة مرجئا.(سنة ست ومائتين ، ج : ٦ ، ص : ١٥).

ہے اور یا پھر اس موسوعہ کو ٹائپ کرنے والوں کی ہے۔ ممکن ہے مؤلفین نے اصل مسودے میں یہ سن وفات ۲۰۴ھ، ۲۰۵ھ یا ۲۰۶ھ تحریر کیا ہو اور ٹائپ کرنے والوں نے غلطی سے صفر(0) کو پانچ (5) کا ہندسہ سمجھ کر ٹائپ کر دیا ہو۔[1]
بہر حال اس راوی کی وفات کے حالات نہیں ملے۔

---

(38)

یہ بھی جستجو رہی کہ علماء برصغیر میں سے کسی عالم دین نے اس راوی کے حالات پر کوئی تبصرہ یا مدح و ذم تحریر فرمائی ہو تو اس سے بھی آگاہی حاصل ہو۔ اہلحدیث، دیوبندی اور شیعہ علماء کے ہاں تو کچھ خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی لیکن بریلوی مکتبہ فکر کے ہاں، جناب امام احمد رضا خان صاحب نے شبابہ بن سوّار کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔
اس رائے کا پس منظر یہ ہے کہ ایک سوال اُٹھا کہ ''جمع بین الصلاتین'' کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ علماء اہلحدیث نے فتویٰ دیا کہ ''جمع بین الصلاتین'' جائز ہے اور اسی مسئلے پر حنفی علماء اور مفتیانِ کرام نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ بات دلائل پر پہنچی تو علماء اہلحدیث نے ''جمع بین الصلاتین'' کے جواز میں وہ احادیث پیش کیں جن سے ظاہراً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ''جمع بین الصلاتین'' کی ہے جب کہ حنفی مفتی حضرات نے اس جمع کو ''جمع حقیقی'' کی بجائے ''جمع صوری'' سے تعبیر کیا اور اس کی اجازت نہیں دی۔ علماء اہلحدیث کی طرف سے جب علامہ سید نذیر حسین صاحب

---

(1) موسوعة الرجال الكتب، التسعة، (حرف الشين، رقم: ٣٦٦٦، ج: ٢، ص: ١٣٧)

محدث دہلوی المتوفی ۱۳۱۵ھ نے ایک کتاب ''معیار الحق'' تصنیف فرمائی تو اس کے آخر پر اس مسئلے پر بھی اپنی طرف سے دلائل تحریر فرمائے۔ ہر شخص کو اپنے مسلک کے دلائل اور فریق مخالف کو ان کے دلائل کے ردّ کا حق پہنچتا ہے لیکن جب یہ کتاب جناب امام احمد رضا خان صاحب کی نظر سے گذری تو اُنہیں سخت ناگواری ہوئی، اُنہوں نے ان دلائل کو ٹیڑھے ہاتھوں لیا اور ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام ''حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین'' (دو دریاؤں کو ملنے سے روکنے والا، دو نمازوں کو جمع کرنے سے بچانے والا) ہے۔①

یکم رجب ۱۳۱۳ھ کو بریلی کے محلّہ ''قراولان'' سے کسی نامعلوم شخص نے جناب امام احمد رضا خان صاحب سے دریافت کیا کہ سفر کے عذر سے، جس میں قصر لازم آتا ہے، دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جناب امام احمد رضا خان صاحب نے صرف پندرہ دن کے اندر اندر یعنی ۱۵ رجب المرجب ۱۳۱۳ھ تک اس سوال کے جواب میں ایک سو پچپن صفحات کا یہ رسالہ یا کتاب تحریر فرمادی جس میں اس سوال کا مفصل جواب بھی آ گیا اور مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے دلائل کا ردّ بھی۔ دلائل کا ردّ ہوتا تو یہ کچھ بات نہ تھی اہل علم میں اختلافات اور دلائل کا ردّ وکد تو روزمرہ کی بات ہے لیکن جناب امام احمد رضا خان صاحب نے دلائل سے بالکل ہٹ کر مولانا سید نذیر حسین صاحب

---

① یہ رسالہ پہلے تو کئی مرتبہ ایک الگ کتاب کی صورت میں چھپا لیکن جناب امام احمد رضا خان صاحب بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کو جب سے نئی شاندار ترتیب اور سلیقے سے چھاپا گیا ہے، اُن فتاویٰ میں کئی ایک نایاب رسائل، موضوع کی مناسبت سے، مختلف فتاویٰ کے ساتھ ہی متصل کر کے چھاپ دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ یہ رسالہ ''حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین'' فتاویٰ رضویہ کی پانچویں جلد میں صفحہ نمبر: ۱۵۹ سے لے کر صفحہ نمبر: ۳۱۳ تک مکمل طور پر چھاپ دیا گیا ہے اور ہم نے اس مضمون میں اسی فتاویٰ رضویہ جلد نمبر: ۵ سے استفادہ کیا ہے۔

کو جس طرح آڑے ہاتھوں لیا ہے اور جس طرح اُن کی ذات کے لیے توہین آمیز جملے لکھے ہیں وہ تو بس جناب امام احمد رضا خان صاحب ہی کا حصہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ایسی زبان تو صرف اُنہیں ہی سجتی و پھبتی تھی۔ جب یہ رسالہ ۱۳۱۳ھ میں لکھا جارہا تھا تو اُس وقت علامہ سید نذیر حسین صاحب دہلوی حیات تھے کہ ان کا انتقال ۱۳۱۵ھ میں ہوا تھا۔

جناب امام احمد رضا خان صاحب کا طرز تحریر ملاحظہ ہو۔

علامہ سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

① محدثی کا بھرم، عمل بالحدیث کا دھرم، دن دھاڑے دھڑی دھڑی کر کے لٹانے میں، رنگ رنگ سے اپنی نئی ابکار افکار کو جلوہ دیا۔ (ص:۱۶۳) ② ملاجی کو بایں سالخوردی و دعویٰ محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف و اصطلاح محدثین میں تشیع و رفض میں کتنا فرق ہے (ص:۱۷۵) ③ ملاجی بے چارے جو شامت ایام سے مقابلۂ شیران حنفیہ میں آ پھنسے، وہ چوکڑی بھولے ہیں کہ اپنی اجتہادی آزادی بھی یاد نہیں (ص:۱۸۸) ④ غرض شاباش ہے تمہارے جگرے کو کہ صحیح حدیثوں کے ردّ وابطال میں کوئی دقیقہ مظالعۂ جاہلین و مکابرۂ عالمین و تقلید مقلدین کا اُٹھا نہ رکھو اور پھر عمل بالحدیث کی شیشی کو ٹھیس تک نہ لگے۔ (ص:۱۹۶) ⑤ دلربا کھسیانی ادا یہ ہے کہ جھنجھلائی نظروں سے جل کر فرمایا ...... ملاجی! ان جھنجھلاہٹوں میں حق، بجانب تمہارے، ہے تم دِلی کی ٹھنڈی سڑک پر ہوا کھانے کے قابل نہ تھے۔ یہ حنفی لوگ عبث تمہیں چھوڑ کر بوکھلائے دیتے ہیں۔ (ص:۲۱۵)

کیا کوئی یہ پوچھ سکتا ہے کہ یہ اہل علم کی زبان ہے؟ صرف دو حوالے مزید پڑھ لیجیے۔

① ملاجی! کبھی کسی کرّے سے پالا نہ پڑا ہوگا کہ عمل بالحدیث کا دعویٰ بھلا دیتا (ص:۲۸۹)

② علماء اعلام حنفیہ کرام نے افادہ فرمایا، اس کا نفیس و جلیل مطلب ملاجی کہ فہم تنگ میں اصلاً نہ دھنسا (ص:۲۹۵)

جناب احمد رضا خان صاحب ''فہم تنگ'' اور ''دھنسانے'' کی جو گالیاں دے رہے ہیں، کیا علماء کرام کی زبان اور طرز تحریر ایسا ہوتا ہے۔

یہ رسالہ ان گھٹیا باتوں اور کنائی گالیوں سے بھرا پڑا ہے برصغیر میں یہ روش صرف جناب احمد رضا خان صاحب اور اُن کی آل مبارک ہی کی تھی کہ یہ سب ایسی ہی ذومعنی باتیں اور فحش گالیاں تحریر فرمایا کرتے تھے۔ یہ اعزاز اسی خاندان کا تھا، وگرنہ ان کے علاوہ کوئی خانوادہ ایسا نہ تھا جہاں یہ زبان تحریر کی جاتی تھی یا کسی بھی مکتبۂ فکر کے علماء اپنے مخالفین کے لیے ایسی زبان استعمال کرتے تھے۔

اگر یقین نہ آئے تو ''حفظ الایمان'' کا ردّ ''وقعات السنان'' اور انھی فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کر لینا چاہیے جس کی ہر ہر جلد میں سوقیانہ زبان استعمال کی گئی ہے اور بس ہر جگہ ایک ہی رَٹ ہے کہ اس دنیا میں حضرت رسالت مآب ﷺ سے صرف ہمیں ہی عقیدت ومحبت ہے اور ہمارے تمام مخالفین گستاخ رسول، مرتد، کافر اور واجب القتل ہیں۔

''جمع بین الصلاتین'' کے اسی رسالے میں ایک مقام پر ''شبابہ بن سوّار'' کا تذکرہ بھی آ گیا ہے اور جناب احمد رضا خان صاحب، اس راوی پر جرح کرتے ہوئے، اپنی زبان نہیں بھولے اور یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ الفاظ وہ کس دور کے، کس شخص کے بارے میں تحریر فرما رہے ہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

''اس کے بعد ہمیں شبابہ بن سوّار میں کلام کی حاجت نہیں کہ وہ اگر چہ رجال جماعہ وموثقین ابنائے معین وسعد وابی شیبہ سے ہے مگر مبتدع مکلب تھا۔ (ص:۲۲۴)

شبابہ بن سوار درجۂ حجیت سے ساقط اور مبتدع تھا یا نہیں تھا لیکن اُس کے لیے یہ جو لفظ امام احمد رضا خان صاحب نے استعمال کیا ہے ''مکلب'' کیا آج تک کسی مؤرخ، محدث یا عالم اسماء الرجال نے شبابہ کو یہ کہا ہے کہ وہ ''مکلب'' تھا؟ کیا کسی بھی راوی کی جرح میں اسلاف کی زبان یہ ہوا کرتی تھی؟ ''مکلب'' کے معنی ہیں ''سدھا ہوا کتا'' ''شکاری کتا'' یا ''تربیت یافتہ کتا''۔

جناب احمد رضا خان صاحب، جرح کرتے ہوئے شبابہ بن سوّار کو ''شکاری کتا'' اور ''سدھا ہوا کتا'' تحریر فرمارہے ہیں یہ زبان کون سی تہذیب اور کون سا دین سکھاتا ہے؟ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ مبتدع اور ساقط الاعتبار تھا تو کیا وہ انسان بھی نہ تھا کہ جس کے متعلق یہ زبان استعمال کی جارہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مگر پھر خیال آتا ہے کہ جناب امام احمد رضا خان صاحب نے یہ جو زبان استعمال کی ہے اس پر زیادہ نالاں بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے فتاویٰ اس قسم کے خرافات اور اس لچر زبان کے اعلیٰ نمونوں سے بھرے پڑے ہیں اور یہی ان کے اور ان کی اولاد کے کارنامے ہیں اور پھر یہی وجہ ہے کہ ان کے ماننے والے یہ زبان پڑھ کر اپنے مقتدیٰ اور اُن کی آل کے متعلق جب سوچتے ہیں تو پھر اپنے جی میں ہی لاجواب ہو کر شرما، جاتے ہیں۔

امام احمد رضا خان صاحب نے اِس مقام پر حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارتیں نقل کر دی ہیں جن میں راوی پر یہ الزامات ہیں کہ وہ (معاذ اللہ) تجسیم باری تعالیٰ کے قائل تھے اور یہ کہ اُن کا انتقال اور تدفین مدائن میں ہوئی تھی اِن الزامات پر بحث اور تردید گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

اُمید ہے کہ اس مضمون سے اصل سوال کا جواب مل گیا ہوگا کہ کیا اھل السنۃ والجماعۃ کی کتابوں میں مبتدعین کی روایات پائی جاتی ہیں؟ اور حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جو تسامح ہوا ہے اس کی وضاحت بھی ہو گئی ہوگی۔

والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلیٰ الہ وصحبہ المکرّمین عندہ.

اللہ تعالیٰ کے بے حساب احسانات میں، ایک اپنے اکابر کی محبت اور اہل علم کا احترام بھی ہے۔ اس محبت واحترام کا تقاضا طبیعت پر غالب ہوا کہ ان حضرات ـــــ شکر اللہ مساعیہم ـــــ کے جو مکتوبات ابھی تک مرحلۂ اشاعت میں نہیں پہنچے، انہیں شائع کیا جائے۔ جستجو کا آغاز ہوا کہ یہ ''کنز مدفون'' ہے کہاں؟ اور اس سلسلے میں جناب مولانا عبدالوحید حنفی صاحب مدظلہم سے گذشتہ برس وسط ربیع الثانی و وسط مارچ میں ملاقات کا وقت طے ہوا۔ حالات وواقعات کیسے ہی کیوں نہ ہوں اور شخصیت بھی کیسی ہی بلند مرتبت کیوں نہ ہو، وقت طے کیے بغیر ملنا، شدید گرانی کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ طے شدہ وقت کے مطابق مولانا تشریف لائے اور اُن کی خدمت میں درخواست پیش کی گئی کہ جن اکابر ـــــ رحمہم اللہ ـــــ کے گرامی نامے ان کے پاس محفوظ ہیں، وہ مرحمت فرمائیں تاکہ انہیں مرحلۂ طباعت سے گذارا جائے۔

انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس تجویز کو سراہا بلکہ چکوال واپسی پر جو گرامی نامہ تحریر فرمایا، اس کا مبیضہ اور عکس دونوں آئندہ صفحات میں نمبر ایک ① کے تحت ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

اپنے اکابر رحمہم اللہ میں سے جن کے خطوط کا عکس ملا، ان میں سب سے زیادہ قابل قدر خطوط حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ ان کی حیات طیبہ کے بالکل آخری دور میں لکھنؤ میں، در دولت پر حاضری ہوئی تھی۔ رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ ان کے زمانے میں، رہ کر ان کی زیارت نہ ہونا کسقدر نا قابل تلافی محرومی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص فضل عظیم فرمایا کہ غالبًا بقدر ایک گھنٹہ کے حاضری رہی۔ اس معتدل، جامع اور اکابرین اھل السنۃ والجماعۃ کے اکابر کی نسبتوں کے مجموعے اور تواضع اور بندگی کے سراپا کے لیے جانے کیا الفاظ ہوں جو خراج تحسین پیش کیا جائے۔ وہ جسے

اُمت مسلمہ کے درد کی لازوال کسک نصیب ہوئی اور وہ جونگار خانۂ تصوف کا صد ہفت نگین تھا۔
برد اللہ ضریحہ وطاب مثواہ.
ان کا پہلا گرامی نامہ مع عکس کے دوسرے نمبر ② پر شائع کیا جا رہا ہے۔

مکتوب نمبر ①

۱۹ ربیع الثانیہ ۱۴۳۲ھ
۲۴ مارچ ۲۰۱۱ء

جناب محترم حضرت مولانا مفتی محمد سعید خان صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
امید ہے کہ آپ بخیریت ہونگے۔ فون پر آپ کا شکریہ ادا کر دیا تھا کہ آپ نے ملاقات کے لئے حاضر ہونے کے لئے وقت عنایت فرمایا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء، ملاقات سے بے حد فائدہ ہوا۔
② آپ کے ارشاد کے مطابق قدیمی ڈاک میں سے چند خطوط کے فوٹو اسٹیٹ کرائے ہیں جن میں سے چند کاپیاں ارسال ہیں۔
③ ''تاریخ اسلام اور کتب تاریخ'' کے عنوان سے بزرگوں کے ارشادات یکجا کئے ہیں۔ جو نظر ثانی کے لئے ارسال کر رہا ہوں ان کو مطالعہ کر کے جو بھی ان حوالوں سے کم کرنا مناسب سمجھیں نشاندہی کر دیں تا کہ باقی جو اشاعت کے قابل ہوں اُن کو شائع کیا جا سکے۔ اس بارے میں آپ اضافہ کرنا چاہییں تو وہ بھی کر سکتے ہیں اور اگر وقت نہ ہو تو پھر اسی کو دیکھ کر واپس کاپی بھجوا دیں۔

والسلام
خادم اہل سنت
عبدالوحید حنفی
چکوال

تاریخ ۱۹ ربیع الثانیہ ۱۴۳۲ھ
۲۴ مارچ ۲۰۱۱ء

جناب محترم حضرت مولانا مفتی محمد سعید خان صاحب مدظلہ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ -

امید ہے کہ آپ بخیریت ہونگے -

فون پر آپ کا شکریہ ادا کر دیا تھا کہ آپ نے ملاقات کیلئے حاضر ہونے کیلئے وقت عنایت فرمایا - جزاکم اللہ احسن الجزاء ملاقات سے بے حد فائدہ ہوا -

(۲) آپ کے ارشاد کے مطابق قدیمی ڈاک میں سے چند خطوط کے فوٹو اسٹیٹ کرائے ہیں جن میں سے چند کاپیاں ارسال ہیں -

(۳) "ہمارا تاریخ اسلام" اور کتب تاریخ" کے عنوان سے بزرگوں کے ارشادات یکجا کئے ہیں - جو نظر ثانی کیلئے ارسال کر رہا ہوں ان کو مطالعہ کر کے جو بھی ان حوالوں سے کم کرنا مناسب سمجھیں نشاندہی کر دیں تاکہ باقی جو اشاعت کے قابل ہوں ان کو شائع کیا جائیگا - اسی بارے میں آپ اضافہ کرنا چاہیں تو وہ بھی کر سکتے ہیں اور اگر وقت نہ ہو تو مسودہ کو دیکھ کر واپسی کاپی بھجوا دیں - والسلام خادم اہل سنت

محمد عبدالوحید حنفی
چکوال

مکتوب نمبر ②

بسم سبحانہ وتعالیٰ

ازمنظور نعمانی ۶/رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

لکھنؤ

محبّ ومکرم محترم جناب مولانا عبدالوحید حنفی صاحب اُحسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: خدا کرے آپ اور محترمی قاضی صاحب زید مجدہم بہمہ وجوہ بخیر وعافیت ہوں، ـــــ کئی ہفتے پہلے جناب کا مرسلہ کتابوں اور مختلف اشتہارات کا بنڈل موصول ہوگیا تھا، جس میں ''خارجی فتنہ حصہ دوم'' اور میری مطلوبہ کتاب اختر کاشمیری صاحب کی تصنیف ''نظریہ انتظار مہدیؒ'' بھی تھی ـــــ بہت ہی نادم ہوں کہ تاخیر سے اطلاع رسید دے رہا ہوں، آپ حضرات کی

عنایتیں بے حد وحساب ہیں اللہ تعالیٰ انکا صلہ بھی آپ حضرات کو اپنی شان عالی کے مطابق بے حساب عطا فرمائے۔ آپکے مرسلہ ایک اشتہارات میں یونس کاظمی صاحب کے صاحبزادے طاہر شاہ صاحب کا جو بیان ''نوائے وقت اور ہفتہ وار استقلال'' کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، فی الحقیقت بہت ہی قابل عبرت ہے۔

پاکستان کے لوگ تو کاظمی سے واقف ہونگے، اسلئے اشتہار میں انکے تعارف کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تصویر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید کوئی ''پیر'' قسم کے آدمی ہیں، بسہولت ہو سکے تو چند سطروں کے ذریعے انکا تعارف کرادیجئے، جس میں شیعہ سنی اتحاد کے سلسلے میں انکی کوششوں اور کارناموں کا بھی ذکر ہو۔ مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود صاحب واقعہ طاہر شاہ نے لکھ کر ''نوائے وقت'' اور ''استقلال'' کو اشاعت کیلئے بھیجا ہے۔ اگر آپ کی طرف سے یونس کاظمی کا تعارف آجائے تو اس تعارف کے ساتھ اس کو الفرقان میں نقل کر دینے کا ارادہ ہے۔

شیعوں کی تکفیر سے متعلق جو استفتاء الفرقان کی کئی اشاعتوں میں گذشتہ سال شائع ہوا تھا اس کو نظر ثانی کے بعد نئے سرے سے مرتب کر کے ۴۰ صفحے کے رسالے کی شکل میں طبع کرا دیا تھا، ارادہ یہ تھا کہ ہندوستان و پاکستان کے مشاہیر اکابر علماء واصحاب فتویٰ کا جواب حاصل کر کے اور علماء کرام کی زیادہ سے زیادہ تصدیقات کرا کے اسکو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے، اس سلسلہ میں میں نے استفتاء کراچی میں جامعہ علوم اسلامیہ نیوٹاؤن کو بھیجا تھا، محترمی مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی زید مجدہم اور جناب مولانا عبدالرشید نعمانی زید مجدہم نے بہت مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا، اور کراچی کے اکثر حضرات علماء کی تصدیقات حاصل کرا کے مجھ کو بھیج دی تھی، میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ آپ کسی مناسب شخص کو اس کام کیلئے مقرر فرمائیں کہ وہ پاکستان کے دوسرے شہروں کے علمی ودینی مراکز اور حضرات علماء واصحاب فتویٰ کی تصدیقات دورہ کر کے حاصل کرے، یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ ان

صاحب کے سفراوردورہ کے مصارف میرے ذمہ ہونگے۔انکی طرف سے جواب آیا تھا کہ اس کام کی تکمیل کی ذمہ داری جناب مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب نے لے لی ہے ـــــ اسکوکئی مہینے گذر گئے، مجھے انتظار رہا کہ وہ کام مکمل کراکے مجھے بھیج دیں گے،اسی ہفتہ ان کو عریضہ لکھا ہے کہ وہ کام مکمل ہوگیا ہوتوکسی قابل اعتماد ذریعے سے میرے پاس بھیجدیا جائے،امید ہے کہ وہ کام انشاءاللہ ہوا ہوگا،اور تصدیق کیلئے استفتاءاورفتویٰ آپ حضرات کی خدمت میں چکوال بھی پہونچا ہوگا۔اس کام کے سلسلہ میں آپ حضرات کومکلّف کرنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ مولانا احمد الرحمٰن صاحب نے خوداس کی پیشکش فرمائی تھی۔

جامعہ اشرفیہ لاہور جناب مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی کوبھی استفتاء بھیجا تھا،انہوں نے مجھے جواب تحریرفرمایا تھا کہ میں نے خود جواب لکھا ہےاور ملک کے متعدد مستند علمی ودینی مراکز کوتصدیق کیلئے بھیجدیا ہے،تصدیقات آجانے پرمیں وہ روانہ کرونگا ـــــ اس کابھی انتظار ہے،اسی ہفتے انکو بھی عریضہ لکھا ہے ہندوستان کے اکابرعلماء میں سے استفتاء کا اصل جواب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی مدظلہ نے تحریرفرمایا ہے،قریباً دوسوحضرات علماء واصحاب فتویٰ کی تصدیقات حاصل ہوچکی ہیں ،مولانا مفتی احمد الرحمٰن اورمولانا محمد مالک صاحب کی طرف سے جواب وتصدیقات آجائیں توان سب کوکتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ ہے،اللہ تعالیٰ مددفرمائے ، جناب بھی دعا فرمائیں،محترمی قاضی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون اوردعا کی درخواست اور جناب سے بھی۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بقلم محمد ضیاءالرحمٰن محمود